اختر راہی

نوآزاد مسلم ریاستیں اور ایران - ۱

سابق سوویت یونین کے وجود میں آنے (۳۰ دسمبر ۱۹۲۲ء) سے لے کر اس کے خاتمے (۳۰ دسمبر ۱۹۹۱ء) تک ہمسایہ ملک ایران کے ساتھ سوویت یونین کے تعلقات میں بحیثیت مجموعی کبھی گرم جوشی نہیں رہی۔ انہتر سال کے اس عرصے میں ایران میں کمیونسٹ مداخلت سے وقتاً فوقتاً مسائل پیدا ہوئے اور مسلح تصادم بھی ہوا تاہم انقلاب (اپریل ۱۹۷۹ء) کے بعد تعلقات کی نوعیت بالکل جداگانہ رہی۔ مغرب دوست شاہ کے خلاف جاری تحریک میں کمیونسٹ تودہ پارٹی نے حصہ لیا اور پارٹی علمائے کرام کی نگرانی میں جاری تحریک کی تائید کرتی رہی مگر شاہ کے زوال پر علاقے کی قدیم ترین کمیونسٹ پارٹی ہونے کے باوجود کچھ حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہی اور قیادت کا خلا ان علماء نے پُر کر دیا جو عوام کے ساتھ مضبوط رابطہ رکھتے تھے۔ بعد میں تودہ پارٹی پر پابندی لگی اور اس کی قیادت دارو گیر کا شکار ہوئی۔ انقلابی رہنماؤں نے کمیونزم کی اپنی مخالفت کو فکری سطح پر نمایاں کیا اور سپر طاقتوں کی پالیسیوں پر تنقید میں کبھی مداہنت کا ثبوت نہ دیا۔[1]

گورباچوف عہد، امام خمینی اور ایرانی قیادت

قائد انقلاب ایران آیتہ اللہ روح اللہ خمینی (م ۱۹۸۹ء) کی زندگی ہی میں سوویت یونین کی فکری تبدیلی کا آغاز ہوگیا تھا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۸۵ء کو میخائیل گورباچوف کو حکمران کمیونسٹ پاٹی کا رہنما چنا گیا اور انہوں نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مرکزیت زدہ معیشت و سیاست کو بدلنے کا پروگرام شروع کیا۔ گو انہوں نے کمیونسٹ آئیڈیالوجی کی مخالفت نہیں کی مگر ان کے تصوّرات کی کمیونسٹ دنیا عالم واقع میں موجود دنیا سے مختلف تھی۔ پرسٹرائیکا اور گلاس ناسٹ کی پالیسیوں نے انہیں مغربی دارالحکومتوں میں مقبول بنایا تو ان کی مذہبی پالیسیوں نے ایرانی قیادت کے روّیے میں بھی تبدیلی پیدا کی۔ یکم جنوری ۱۹۸۹ء کو آیتہ اللہ خمینی نے اپنے خصوصی نمائندے کے ذریعے گورباچوف کو ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے لکھا تھا۔[2]

جب سے آپ نے اپنا عہدہ سنبھالا ہے، یہ احساس ہو رہا ہے کہ آپ نے دنیا کے سیاسی واقعات کے تجزیے خصوصاً دورِ جدید میں روس، جن مسائل سے دوچار ہے، ان کی طرف نئے سرے سے انقلاب آمیز نظر ڈالی ہے۔ دنیاوی حادثات و واقعات کے سلسلہ میں آپ کے بے باکانہ فیصلے، ہو سکتا ہے کہ وہ موجودہ دنیا پر حاکم توازن میں خلل پڑنے اور ایک بڑی تبدیلی رونما ہونے کا سبب بنیں، اس لیے میں نے چند باتوں کی طرف آپ کی توجہ کو مبذول کرانا بہتر سمجھا۔

بہت ممکن ہے آپ کا دائرۂ فکر اور آپ کے نئے عزائم محض پارٹی کے مسائل اور اس کے ذیل میں روسی عوام کی بعض مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالنے تک محدود ہوں، پھر بھی جس نظریہ نے سالہا سال دنیا کے فرزندانِ انقلاب کو اپنے آہنی حصاروں میں مقید کر رکھا تھا، اس نظریہ پر اتنے دلیرانہ انداز سے آپ نے جو تجدید نظر فرمائی ہے، یہ بھی قابل تعریف ہے۔ اور اگر اس سے کچھ اور بلند ہو کر آپ غور و فکر کریں تو سب سے پہلا مسئلہ جو آپ کے لیے یقیناً کامیابی کا باعث ہوگا، وہ یہ ہے کہ آپ کے بزرگوں کا جو نظریہ خدا سے دوری اور دین دشمنی پر مبنی تھا اور جس نے ملتِ روس کو زبردست نقصان پہنچایا ہے، آپ اس نظریہ کے بارے میں تجدیدِ نظر کریں اور پھر سوچیں۔ آپ یقین کیجیے کہ دنیاوی مسائل کے واقعی حل کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔

--- کمیونزم پر سب سے پہلی کاری ضرب آپ نے لگائی ہے۔ اب اس وقت دنیا میں کمیونزم نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے، لیکن میں آپ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ مارکسزم کی خیالی دیواروں کو توڑنے میں آپ، مغرب اور شیطانِ بزرگ (امریکہ) کے زنداں میں گرفتار نہ ہوں۔

محترم گورباچوف!

جس وقت آپ کی بعض جمہوریتوں میں واقع مسجدوں [کے میناروں] سے اللہ اکبر اور پیغمبرِ ختمی مرتبت کی رسالت کی گواہی کی صدا ستر سال کے بعد سنی گئی، "خالص محمدی اسلام" کے طرفداروں کی آنکھوں سے وفورِ شوق میں آنسو نکل آئے۔

--- آپ نے سوویت روس کی بعض جمہوریتوں میں نسبتاً جو مذہبی آزادی دی ہے، اس سے لگتا ہے کہ اب آپ یہ خیال ترک کر چکے ہیں کہ مذہب معاشرہ کے لیے افیون ہے ----

اس خط کے چند ماہ بعد مئی ۱۹۸۹ء میں گورباچوف نے سوویت صدر کا عہدہ سنبھالا۔ اصلاحات کا

عمل تیز تر ہوتا چلا گیا جو بالآخر سوویت یونین کے خاتمے پر منتج ہوا، تاہم یہ سب کچھ دیکھنے کے لیے آیتہ اللہ روح اللہ خمینی زندہ نہ تھے۔ وہ ۲ جون ۱۹۸۹ء کو اپنا کارنامۂ حیات مکمل کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تاہم انہوں نے اپنی آخری وصیّت میں ایک بار پھر اپنی قوم کو "پاک دل، پاک فکر اور احساسِ ذمہ داری رکھنے والے عالمِ دین" سیّد حسن مدرّس مرحوم کے ایک قول کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا۔[۳]

> میں آپ تمام مومن بھائیوں سے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم امریکہ و روس کے مجرمانہ ہاتھوں دنیا سے مٹا دیے جائیں تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مشرق کی سرخ اور مغرب کی سیاہ فوج کے پرچم تلے عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔

گورباچوف نے حالات پر قابو پانے کے لیے ۱۹۲۲ء کے یونین معاہدہ کو ایک نئے معاہدہ سے بدلنے کی کوشش کی۔ ۲۴ نومبر ۱۹۹۰ء کو اس کا اوّلین مسوّدہ شائع ہوا۔ گورباچوف کے اس نئے یونین معاہدہ میں ریاستوں کو پہلے سے زیادہ اختیارات دیے گئے مگر اس معاہدہ پر ریاستوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں ایک سال گزر گیا اور جب ہم آہنگی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو گورباچوف نے ریفرنڈم کا راستہ اختیار کیا۔ اس ریفرنڈم میں بحیرہ بالٹک کی ریاستوں کے ساتھ آرمینیا، جارجیا اور مالدووا نے بھی حصہ نہ لیا۔ نو ریاستوں میں معاہدہ کے حق میں ووٹ ڈالے گئے تاہم اس کامیابی کے غبارے سے اس وقت ہوا نکل گئی جب یونین کی سب سے بڑی ریاست رشین فیڈریشن (جو یونین کی نصف سے زائد آبادی کی نمائندہ ہے) کی پارلیمنٹ نے معاہدہ کی منظوری دی مگر اس میں ایسی ترامیم تجویز کیں جن سے مرکز کے اختیارات مزید کم ہو گئے۔

اس پس منظر میں اصلاحات مخالف گروہ نے ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء کو اقتدار پر قبضہ کر لیا مگر یہ بغاوت دو دن میں ناکام ہو گئی۔ اس بغاوت میں گورباچوف کی شخصیت اور پروگرام کو شدید دھچکا لگا مگر جو شخصیت زیادہ قوّت کے ساتھ سیاسی منظر پر نمایاں ہوئی، وہ رشین فیڈریشن کے صدر بورس یلسن تھے۔

مارچ ۱۹۹۰ء سے جب بالٹک ریاستوں میں لیتھوانیا نے آزادی کا اعلان کیا، سوویت یونین کے ٹوٹ پھوٹ جانے تک وسطی ایشیا کی کسی مسلمان ریاست نے کھل کر جمہوری تحریک کے حق میں آواز نہیں اٹھائی بلکہ اگست کی بغاوت میں ان میں سے بعض کا جھکاؤ واضح طور پر باغیوں کی طرف تھا تاہم اگست کی ناکام بغاوت کے بعد یہ واضح ہو گیا تھا کہ اگر سوویت یونین دنیا کے سیاسی نقشے پر ایک "وحدت" کے طور پر موجود رہی تو اس کی ریاستوں کو پہلے سے کہیں زیادہ اندرونی اور خارجی آزادی حاصل ہو گی، تاہم ان میں سب سے اہم رشین فیڈریشن ہو گی اور مستقبل میں اس کا روّیہ خطّے کی سیاست کو متاثر کرے گا۔

مذکورہ پس منظر میں ایران کے وزیر خارجہ ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے ۲۴ نومبر - ۲ دسمبر ۱۹۹۱ء کو

ماسکو اور چھ مسلم ریاستوں کا دورہ کیا اور ازبکستان کے ماسوا سب کے ساتھ مفاہمت کی یادداشتوں پر دستخط کیے۔ ازبکستان کے ساتھ مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کو ازبک صدر اسلام کریموف کے مجوّزہ دورۂ ایران کے لیے اٹھا رکھا گیا۔

ان یادداشتوں میں مواصلاتی روابط کے قیام نیز تجارتی، اقتصادی اور ثقافتی میدانوں میں تعاون پر زور دیا گیا تھا۔ ان جمہوریاؤں میں ایرانی قونصل خانوں کے قیام اور ایرانی بنک کی شاخوں کے کھولنے پر سمجھوتے ہوئے۔ دورے سے واپسی پر ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے بتایا کہ مسلمان ریاستوں نے ایران سے قریبی روابط قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے کیونکہ ایران اور ان کے درمیان مذہب، تاریخ اور ثقافت کے رشتے موجود ہیں۔

۲۴ نومبر - ۲ دسمبر ۱۹۹۱ء کے دورے کے دوران میں اور اس کے فوراً بعد ڈاکٹر علی اکبر ولایتی کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ایران اس وقت ماسکو کو ناراض نہ کرنا چاہتا تھا۔ ۲۶ نومبر ۱۹۹۱ء کو روسی نیوز ایجنسی "تاس" نے علی اکبر ولایتی سے منسوب یہ گفتگو نشر کی کہ اگرچہ "بعض ریاستوں جن کے ساتھ ایران ممکنہ طور پر روابط مضبوط کرے گا، ان کے اور ایران کے درمیان تعلق کا اہم عنصر اسلام ہے" تاہم ان کی حکومت ان ریاستوں کو "سوویت یونین کا لازمی حصہ خیال کرتی ہے۔" بعد میں جب ڈاکٹر ولایتی ان ریاستوں کا دورہ کر رہے تھے تو انھوں نے کہا کہ "ان ریاستوں کے ساتھ ایران کے تعلقات، ایران - ماسکو روابط کے پس منظر میں تشکیل پائیں گے۔" آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے چھٹے سربراہی اجلاس [ڈاکار: دسمبر ۱۹۹۲ء] میں ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے کہا کہ "وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کی طرف سے عالمِ اسلام کے ساتھ تعاون کی آمادگی کو نیک فال سمجھنا چاہیے اور اس تعاون کے خصوصی مضمرات کے بارے میں رعایت سے کام لیا جانا چاہیے۔" اسی طرح ایران کے دوسرے ذمہ دار رہنماؤں نے بیانات جاری کیے تاہم دسمبر ۱۹۹۱ء کے آخر تک سوویت یونین کی جگہ "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" نے لے لی۔

مسلم وسطی ایشیا اور ایران: رنگ و نسل کا اشتراک

وسطی ایشیا کی نوآزاد مسلم ریاستوں میں ترکمنستان اور آذر بائی جان خشکی کے راستے ایران سے متصل ہیں جب کہ قازقستان اور ایران کے درمیان بحیرہ کیسپین ہے۔ باقی تین مسلم ریاستوں — ازبکستان، تاجکستان اور کرغیزستان — کے ساتھ ایران کا براہِ راست جغرافیائی تعلق اور اتصال نہیں البتہ ازبکستان سے ترکمنستان کے راستے اور تاجکستان و کرغیزستان سے ازبکستان کے راستے رابطہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

جمہوریہ ترکمنستان کا نام ترک قبیلے "ترکمن" یا "ترکمان" [4] کے سبب ہے جو جمہوریہ کی ۳۸ لاکھ آبادی (۱۹۹۲ء) میں اکسٹھ فیصد سے زائد ہے۔ مگر ترکمان قبیلے کے افراد افغانستان اور ایران میں بھی موجود ہیں۔ "ایران کی سب سے اہم قوموں میں سے [ایک] ترکمان --- قوم ہے اور صوبہ خراسان کے شمال میں صحرائے ترکمان میں زندگی گزارتی ہے۔ یہ قوم ظاہری چہرے مہرے کی بناوٹ، زبان اور مادی ثقافت کے لحاظ سے دوسری ایرانی قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ [5] " ایران میں ترکمان آبادی تین لاکھ اسّی ہزار سے گیارہ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ [6]

رواں صدی کے آغاز تک ترکمان کسی مرکزی حکومت کے اختیار سے باہر آزادی سے قبائلی زندگی گزارتے تھے۔ قاچار حکومت کے خاتمے کے ساتھ جسے برسرِ اقتدار لانے میں ترکمانوں کا حصہ تھا، ان کی نیم آزادانہ حیثیت ختم ہو گئی۔ ۱۹۲۵ء میں رضا شاہ کبیر نے قبائل کو غیر مسلح کرنے اور اطاعت شعار بنانے کی مہم شروع کی تو ترکمان Yamut قبیلہ سوویت یونین کے علاقے میں چلا گیا مگر وہاں سے ۱۹۳۰ء کے جبر و تشدّد اور مذہبی عدم آزادی سے مجبور ہو کر واپس پھر ایران آ گیا۔ ایران میں انہیں سابقہ خانہ بدوشانہ زندگی چھوڑ کر آبادی کی زندگی اختیار کرنا پڑی۔ آج ترکمانوں کی اکثریت زراعت، ماہی گیری اور مویشی پال کر گزر بسر کرتی ہے۔ ایران کے ترکمان ترکمنستان کے ہم نسلوں کی طرح سنی المسلک ہیں، دونوں ایک زبان بولتے ہیں مگر ایران کے ترکمان تحریر کے لیے عربی/فارسی رسم الخط استعمال کرتے ہیں جب کہ ترکمنستان کے ترکمانوں کو روسی رسم الخط اپنائے برس بیت گئے ہیں۔ ایرانی ترکمان اسکولوں میں فارسی زبان سیکھتے ہیں مگر آج بھی مذہبی تعلیم و تدریس کے لیے ترکمان زبان استعمال ہوتی ہے۔ "گنبدِ قابوس" ترکمانوں کی دینی اور سیکولر سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ جہاں اُن کا ایک دینی مدرسہ بھی کام کر رہا ہے۔ ترکمانوں میں نقشبندی سلسلے کا اثر و رسوخ ہمیشہ کی طرح اب بھی ہے۔ ترکمان قبائل نے قالین بافی میں بھی بڑی شہرت اور مہارت حاصل کی ہے، ان کے تیار کردہ قالینوں کی دنیا بھر میں مانگ ہے۔

ترکمانوں کی طرح ایران میں آذری اقلیت موجود ہے جو ایرانی "آذر بائی جان" میں آباد ہے۔ آذر بائی جان کا علاقہ نادر شاہ کے عہد تک سلطنتِ ایران کا حصہ تھا۔ نادر شاہ فوت ہوا تو یہ علاقہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ روس نے ایک ایک کر کے سب پر قبضہ کر لیا۔ گنجہ ۱۸۰۵ء میں، باکو ۱۸۰۶ء میں، اور قراباخ ۱۸۲۲ء میں زاروں کے قبضے میں چلا گیا۔ آذری قبائل غلامی پر راضی نہ ہوئے، انہوں نے جوّاد خان کی قیادت میں مزاحمتی تحریک شروع کی مگر بالآخر شکست کھائی۔ ۱۸۲۴ء میں ایرانی شہزادے عباس مرزا نے ترک قبائل کے تعاون سے روسیوں پر حملہ کیا۔ شروان اور باکو آزاد کر کے تفلیس کا محاصرہ کر لیا مگر روسیوں نے شہزادہ کو شکست دی۔ ۱۸۲۸ء میں ایک معاہدے کے تحت آذر بائی جان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شمالی حصہ روسی قبضے میں اور جنوبی حسب سابق ایران میں

شامل رہا۔

بالشویک انقلاب کے بعد شمالی آذر بائی جان نے بھی دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آزادی کا اعلان کیا مگر یہ اعلان عارضی ثابت ہوا اور آذر بائی جان سوویت سوشلسٹ ریپبلک بن گیا۔ آذری آبادی حسبِ سابق سوویت یونین اور ایران میں بٹی رہی۔

آذری ایران کی سب سے بڑی لسانی اقلیت ہیں۔ زبان و نسل کے حوالے سے یہ لوگ ترک ہیں مگر شناخت، ثقافت اور تاریخ کے لحاظ سے کاملاً ایرانی ہیں۔ "آذر بائی جانی ترک اپنی زبان کے سوا ایران کے مرکزی شہروں اور علاقوں کے رہنے والوں سے کوئی زیادہ فرق نہیں رکھتے۔[۲]" وہ مسلکاً شیعہ ہیں۔ ایران میں آذری آبادی کے صحیح اعداد و شمار بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ ایرانی سرکاری مردم شماری میں نسل کے حوالے سے اعداد و شمار نہیں دیے جاتے تاہم آذری، ایران کی کل آبادی (چار کروڑ پچیس لاکھ) کا اندازاً ۱۵ سے ۲۰ فیصد ہوں گے۔ ان کی اکثریت مشرقی اور مغربی آذر بائی جان کے صوبوں میں آباد ہیں۔ تہران اور آذر بائی جان کے درمیان ستر دیہات میں ان کی آبادیاں ہیں۔ تقریباً ۵۰ فیصد مرد اور ۲۵ فیصد عورتیں اپنی مادری زبان کے علاوہ فارسی بولتی ہیں۔ آذری ایران کے سیاسی نظام میں ہمیشہ موثر رہے ہیں۔ صفوی دور (۱۵۰۱ء - ۱۷۲۲ء) میں آذری "شاہ سیوان" کو خصوصی درجہ حاصل تھا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے صفوی بادشاہوں کے مخالفین کو مطیع و فرماں بردار بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ شاہ عباس صفوی نے ۱۶۰۰ء کے لگ بھگ شاہ سیوان کو الگ شناخت دی۔ اسی طرح آذری قاچار دور میں نمایاں رہے۔ انقلابی حکومت کے پہلے وزیر اعظم مہدی بازرگان، آذر بائی جان کے پہلے گورنر رحمت مقدم اور آیتہ اللہ شریعت مداری آذری الاصل تھے۔

ترکمنستان اور آذر بائی جان کے ساتھ سرحدی اشتراک اپنی جگہ مگر ان دونوں ریاستوں کی زبان فارسی نہیں، ترکمان مسلکاً شیعہ بھی نہیں اس لیے قربت کے باوجود اختلاف کے پہلو بھی موجود ہیں۔ ان دو ریاستوں کے برعکس تاجکستان جغرافیائی طور پر ایران سے منسلک نہیں مگر زبان کے حوالے سے نوآزاد مسلم وسطی ایشیا کی واحد ریاست ہے جو ایران کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ ماضی میں تاجک زبان و ادب ایرانیوں کے لیے اجنبی نہیں تھا اور اسی طرح تاجکوں کے لیے ایران غیر نہیں تھا، تاہم سوویت دور میں رسم الخط کے اختلاف نے ایک خلیج پیدا کیے رکھی ہے۔ اب تاجک زبان کا رسم الخط فارسی کرنے کے بعد دوری میں خاطر خواہ کمی آئے گی۔

وسطی ایشیا کے حکمران اپنے مزاج اور تربیت کے حوالے سے سیکولرزم کے حامی ہیں اور رشین فیڈریشن کے ساتھ بہتر اور مضبوط تعلقات کے خواہش مند ہیں۔ ان کی یہ خواہش ذاتی پسند ہی نہیں، معاشی اور سیاسی مجبوریوں پر بھی مبنی ہے۔ ایران کے حکمران اس صورت حال میں وسطی ایشیا کے حکمرانوں کے لیے ماڈل نہیں بن سکتے۔ وسطی ایشیا میں اسلام کے حوالے سے ابھرنے والی قوتیں

وادیٔ فرغانہ اور تاجکستان میں نسبتاً مضبوط ہیں مگر ان خطّوں کے لوگ سنی المسلک ہونے کے باعث ایران کے نظامِ سیاست کی ہو بہو نقل نہیں کر سکتے، نیز "ترک قومیت پرستی" کے جذبات بھی ایران کے حق میں نہیں جاتے۔ البتہ "ترک قومیت" کے حوالے سے تاجک اپنی شناخت کو متاثر ہوتے دیکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ تاجکستان کی سب ہی سیاسی قوتیں ایران کے ساتھ خصوصی روابط چاہتی ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی اور لبرل - سیکولر ڈیموکریٹک پارٹی کو ایران کی مذہبی حکومت پسند نہیں مگر بعض دوسری جماعتیں ایران کی دینی قیادت سے الرجک نہیں ہیں بلکہ احیائے اسلام کی تڑپ رکھنے والے نوجوانوں کو فقہی اختلافات کے باوجود ایرانی قیادت اور عالمی سطح پر اس کے رویّوں سے تقویت ملتی ہے۔[8]

ایران نے گزشتہ سال ڈیڑھ میں وسطی ایشیا کی تمام مسلم ریاستوں سے بالعموم اور مذکورہ بالا تین ریاستوں سے بالخصوص ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی روابط استوار کیے ہیں۔ یہ روابط ہر ریاست سے الگ الگ بھی ہیں اور "اقتصادی تعاون کی تنظیم" جیسے پلیٹ فارم سے اجتماعی طور پر بھی موجود ہیں۔

(جاری ہے۔)

حواشی

۱۔ دیکھیے: Imam Khomeini's Views on the Super Powers، تہران: وزارتِ ارشادِ اسلامی (۱۹۸۲ء)

۲۔ امام خمینی، روس کے صدر کو مطالعۂ اسلام کی دعوت، دوماہی "توحید" (قُم)، مارچ - اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۲۷ - ۳۳

۳۔ امام خمینی، صحیفۂ انقلاب، دوماہی "توحید" (قُم)، ستمبر - اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص ۴۷ - ۷۵

۴۔ ترکمان کون ہیں؟ ڈاکٹر سید اظہر علی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

--- ترک ایک صحرا نشین قوم تھے، جن کا مسکن ایک طرف ابتدائے جیحون و سیحون سے لے کر انتہائے حدودِ بلادِ مشرق تک تھا اور دوسری طرف دشتِ قبچاق سے لے کر غایت ولایت جورجہ وختا تک تھا، اس علاقہ کے دشت و جبل اور وادیاں ان کا گہوارہ تھیں۔ جب انہوں نے اس سرزمین سے نکل کر بلادِ ماوراء النہر اور ایران میں توطّن اختیار کیا اور یہاں ان کی نسل پھیلی، تو آب و ہوا کے اثر اور تقاضے سے اُن کی شکل و صورت نے تاجیک خط و خال اختیار کیے۔ چونکہ یہ تاجیک مطلق تھے، نہ خالص ترک، اس لیے اِن دونوں رعایتوں کو مدّنظر رکھ کر جدّت پسندوں نے انصاف کا حق ادا کیا، اور

وہ اس طرح کہ ان کو ترکمان کے نئے نام سے موسوم کیا۔ [ڈاکٹر سیّد اظہر علی، مقالہ "قراقوینلو ترکمان"، روداد ادارہ معارفِ اسلامیہ، اجلاس اوّل (لاہور: ۱۵ - ۱۶ اپریل ۱۹۳۳ء)، لاہور (۱۹۳۳ء)، ص ۳۶۷]

۵۔ ایران کی سیاحتی گائڈ، تہران: عالمی سیاحتی ادارہ، وزارتِ فرہنگ و ارشادِ اسلامی (س-ن)، ص ۷

۶۔ سرکاری اعداد و شمار دستیاب نہ ہونے کے باعث یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ World Minorities کے مقالہ نگار نے ایران میں ترکمان آبادی تین لاکھ اسی ہزار بتائی ہے۔ [جارجینا ایش ورتھ، World Minorities، لندن (۱۹۷۸ء) ص ۱۳۳] جب کہ Mulsim Peoples کے مقالہ نگار نے ایرانی ترکمانوں کی آبادی گیارہ لاکھ بتائی ہے۔ [رچرڈ وی - ویکس، Muslim peoples، ویسٹ پورٹ: گرین ووڈ پریس (۱۹۸۴ء)، جلد ۲، ص ۸۰۴]

۷۔ ایران کی سیاحتی گائڈ، حوالہ مذکورہ، ص ۷

۸۔ دیکھیے: زیرِ نظر شمارے میں شامل مقالہ "تاجکستان کی سیاسی جماعتیں"